پاکستانی مزاحیہ (اُردو) شاعری کے طنزیہ رجحانات

ڈاکٹر علی بیات☆

ڈاکٹر نورین رزاق☆☆

Trends of Satire in Pakistani Humrous (Urdu) Poetry

Dr. Ali Bayat
Dr. Noreen Razzaq

Abstract:

Humor and satire are an effective tool to highlight the faults lying in the social fabric of a system. Pakistani society is faced with the duplicity of ideas and their implementation It is torn between categories and classes regarding religion, culture and social dynamics. The same phenomenon is evident through Pakistani humorous Urdu poetry. It unfolds vistas of a morally deteriorating society in different colors and shades. Pakistani poets, writing humorous and satirical poetry, deal with various techniques to create such poems. This article aims at churning out the diverse forms of satire in Pakistani humorous Urdu poetry.

Key words:

Pakistan, Society, Humour, Urdu poetry, Satirical poetry

کلیدی الفاظ:

مزاح، طنز، سماجی زندگی، تہذیب، مہنگائی

پاکستان کی ۷۱ سالہ تاریخ نشیب و فراز کی وہ کہانی ہے جس میں جمود اور تبدیلی کا عمل بیک وقت جاری و ساری ہے۔ یہ معاشرہ بعض حوالوں سے جمود کا شکار نظر آتا ہے۔ بالخصوص کچھ وقتی اور ہنگامی مسائل و کیفیات مستقل اور لاینحل مسائل کا روپ دھار چکے ہیں لیکن تبدیلی اور حرکت بہر طور

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف تہران، ایران

☆☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور

کائنات کا اصل اُصول ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس تبدیلی اور تحرک کے نتیجے میں مثبت یا منفی اثرات مرتب ہوں۔ پاکستانی معاشرے میں یہ تبدیلی کہیں شکست وریخت اور اقدار کو منہدم کرنے کا ذریعہ بن رہی ہے اور کہیں تعمیر اور مثبت روایات و اقدار کو جنم دینے کا باعث ہے۔ اکیسویں صدی بالخصوص مادی ترقی کی صدی ہے جس میں ہر کس و ناکس اپنی بساط کے مطابق ترقی کی دوڑ میں دوسرے سے آگے نکلنے کا خواہش مند ہے چاہے اس کے لیے جو بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔ سماجی رویے اور نظام افراط و تفریط پر مبنی ہے۔ اقتصادی لحاظ سے ایک طرف نانِ خشک کا حصول کارِ دشوار ہے تو دوسری طرف چند مخصوص طبقوں کے لیے پُر تعیش زندگی کا وافر سامان موجود ہے۔ اس طرح معاشرہ سوچ، عقاید اور طرزِ فکر و عمل کے حوالے سے طبقات میں بٹا دکھائی دیتا ہے۔ سیاست، مذہب، تہذیب اور سماجیات کے ذیل میں آنے والے ہر پہلو کے متعلق یہ بات کہی جاسکتی ہے۔

شعر و ادب زندگی کے عکاس ہیں اور اظہار کے پیرائیوں میں سے بہترین پیرایۂ اظہار طنز و مزاح ہے۔ جو زندگی کے داخلی و خارجی تضادات کو پیش کرنے کا موثر ترین ذریعہ ہے۔ طنز و مزاح نگار اپنے گردوپیش میں پھیلی زندگی اور افراد کے رویوں کی عکاسی اس طرح کرتا ہے کہ ابلاغ بھی ہو جائے اور شگفتگی و لطافت کا عنصر بھی برقرار ہے۔ طنز و مزاح نگار مضحک انداز اختیار کرتے ہوئے سنجیدگی سے اُن معاشرتی برائیوں کا پوسٹ مارٹم کر رہا ہوتا ہے جو سماج کے جسم پر فاسد مواد کی صورت موجود ہوتے ہیں۔

ہر عہد میں شاعر کا عمرانی رویوں، سماجی تغیر و تبدل اور سیاسی اُتار چڑھاؤ سے متاثر ہونا فطری امر ہے اور قریباً ہر عہد میں طنز و مزاح کے تناظر میں معاصر صورت حال کو پیش کرنے کا فریضہ سر انجام دیا جاتا رہا ہے۔ ڈاکٹر انعام الحق جاوید اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ”پرانے زمانے میں بھی اپنے عصری شعور کے مطابق مزاحیہ شاعری کرنے والے موجود تھے۔ مگر انھیں اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ دیگر وجوہات کے علاوہ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ صرف کمزور یا کم پڑھے لکھے شعرا ہی اس طرف آتے تھے۔“(۱)

آج کا قاری ماضی کے مقابلے میں زیادہ باشعور ہے سائنسی ترقی اور علوم متداولہ کی وسعت اور پھیلاؤ نے اس کی ذہنی و جسمانی قوتوں کو جلا بخشی ہے۔ اسی لیے آج کا تخلیق کار بھی ژرف نگاہی اور باریک بینی سے معاشرتی کج رویوں کی عکاسی کر رہا ہے اور اس کے لیے طنزیہ ظرافت بہترین ہتھیار ہے۔

طنز کو ظرافت کے پردے میں پیش کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح ابلاغ واصلاح کا فریضہ بھی پورا ہو جاتا ہے اور قاری کی اُفتادِ طبع پر بات گراں بھی نہیں گزرتی۔ اس کے پیچھے جس بصارت اور بصیرت کو دخل حاصل ہے اس کا اندازہ اس شعر سے لگائیے۔ بقول شاعر:

کہتے ہیں لوگ جس کو ظریفانہ شاعری
ہوتی ہے اصل میں وہ حکیمانہ شاعری (۲)

بیسوی صدی کے نصف آخر اور اکیسویں صدی کی ابتدائی اٹھارہ سالوں میں طنز و مزاح کے متضاد بہتے دھاروں میں شعورِ عصر کی کسی طور کمی محسوس نہیں ہوتی۔ چونکہ ادب میں بالواسطہ اور بلا واسطہ عمرانیاتی رویوں کی نشاندہی ناگزیر ہے۔ اسی لیے اُردو کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں مختلف سیاسی و سماجی تحریکات اور عوامل کے اثرات نمایاں ہیں۔ شعرائے کرام نے نہ صرف شعری و تخلیقی تجربوں کو اپنے دامن میں جگہ دی ہے بلکہ یہ شاعری اپنے سماجی پس منظر کی پیداوار ہے۔ یوں اُردو کی طنزیہ مزاحیہ شاعری عصری آگہی سے مبرّا نہیں ہے۔

ہر عہد کے اپنے مخصوص تقاضے ہوتے ہیں۔ عصری حسّیت کے پیش نظر تخلیق کاروں کے انفرادی و اجتماعی رویے متعین ہوتے ہیں۔ (پاکستان میں) اردو کی ظریفانہ شاعری کا طائرانہ جائزہ یہ ثابت کرتا ہے کہ طنز و مزاح کے حوالے سے پیش رووں کے تتبع میں روایتی اور تقلیدی رجحانات موجود ہیں۔ کچھ شعرا کے ہاں گزشتہ خیالات کی بازگشت سنائی دیتی ہے لیکن روایت کو سلیقے سے برتا گیا ہے۔ طنز و مزاح کی پاکستانی شاعری کی روایت سے منحرف ہونے والے بھی درحقیقت ان سے مکمل انحراف اس لیے نہیں کر سکے کہ سیاسی و سماجی سطح پر آنے والے انقلابات کے باوجود بہت سے مسائل کی شکل تبدیل ہوئی ہے مگر وہ بتدریج موجود ہیں۔ تہذیبی و تمدنی اور ادبی سطح پر بھی موجودہ عہد گزشتہ روایات سے پیوستہ نظر آتا ہے۔

سرسید احمد خاں اور اُن کے رفقائے کار کی نئی تعلیم اور روشنی سے فیض اٹھانے کی تحریک اوراس کے ردعمل کے نتیجے میں اودھ پنچ اور اس سے وابستہ تخلیق کاروں نے نظم و نثر میں مخصوص فضا کو پیدا کیا تھا۔ اس ردّعمل کی افادیت اور مقصدیت سے قطع نظر شاعری میں اکبرؔ کی وجہ سے طنز و مزاح کی جس روایت کی داغ بیل پڑی تھی۔ اس کی تندی و تیزی، تُرشی اور نمکینی کے اثرات سے بچ نکلنا ممکن

نہیں ہے اگرچہ موجودہ عہد میں حالات وواقعات قدرے مختلف ہیں تاہم کچھ قدریں ماضی سے مشترک ہیں۔

مزاحیہ شاعری کے طنزیہ رجحانات کا جائزہ

(پاکستانی) اُردو ظریفانہ و مزاحیہ شاعری میں طنزیہ رجحانات کا جائزہ لینے سے قبل اُن سیاسی، سماجی اور تہذیبی حالات کا مختصر جائزہ لیتے ہیں جو پاکستانی شعرا کو وراثت میں ملے تھے۔ اس ضمن میں تقسیمِ ہند سے بات شروع کرنا ضروری ہے۔ تقسیمِ ہند اور اس کے نتیجے میں ہونے والے فسادات تاریخ کا اہم باب ہیں۔ تقسیمِ ہند کے وقت ہیبت، دہشت اور خوف نے ذہنی اور فکری سطح پر بدترین اثرات مرتب کیے تھے۔ لوٹ کھسوٹ، اشتعال انگیزی، سفّاکی اور ہولناکی، قتل و غارت گری، فرقہ واریّت، نفرت، عزتوں کی پامالی اور بربریّت کے پیچھے ٹھوس ارضی و زمینی حقائق تھے۔ عصبیت و کلبیت اور خون آشام حالات پیدا کرنے اور اس کے سنگین نتائج برآمد ہونے کے پیچھے بہت سے عوامل کارفرما تھے۔ مذہبی و سماجی اختلافات، تہذیبی، سیاسی اور اقتصادی مسائل کی بنیاد پر تقسیمِ ہند کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ لیکن ظلم کی کریہہ صورت اس وقت پیدا ہوئی جب قیامِ پاکستان کے بعد آزادی کے حوالے سے دیکھے گئے خواب چکنا چور ہو گئے۔ اپنے ذاتی مفادات کی آبیاری کرکے پاکستان کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونے سے بار بار روکا گیا۔

مفاد پرستوں کی چیرہ دستیوں کے نتیجے میں یہ ملک فوجی حکمرانوں کے عہد میں خوف اور دہشت کے زیرِ سایہ پروان چڑھتا رہا ہے۔ بے چینی اور بے یقینی کی جس دھند نے اس معاشرے کو لپیٹ میں لیا تھا وہ فضا آج بھی ہے اور اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ داخلی آشوب اور خارجی کرب کے نتیجے میں عدم برداشت کا رویّہ پیدا ہو چکا ہے۔ افراط و تفریط پر مبنی رویوں کے نتیجے میں تخریب زیادہ اور تعمیر کم ہے۔ اقتدار کی ہوس نے اخلاقی و روحانی اقدار کو جس طرح کھوکھلا کیا ہے اس کے اثرات ہر شعبۂ زندگی پر مرتسم ہیں۔ نسلی منافرت، اندرونی خلفشار اور غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل کے نتیجے میں انفرادی اور قومی زندگی میں مسائل کا انبار لگا ہوا ہے۔ اسی لیے صرف اپنی بقا کی دوڑ نے خود غرضی اور بے حسی میں گونا گوں اضافہ کر دیا ہے۔

مجموعی لحاظ سے معاشرے میں اخلاقی گراوٹ اور روبہ زوال اقدار نے حسِ لطیف اور حسِ مزاح کو بھی متاثر کیا ہے۔ اب حسیّات پر ہلکی سی ضرب کافی نہیں ہے۔ عمومی زندگی میں میڈیا پر حالات

حاضرہ کے پروگراموں میں جس طرح کردار کُشی اور دشنام طرازی کی جاتی ہے اس کا مقصد خواہ ریٹنگ بڑھانا ہی کیوں نہ ہو اس نے قوم کے مجموعی مزاج کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اخلاقیات کو بالائے طاق رکھ کر سیاسی پارٹیاں دوسرے کی ذات اور منشور پر حملہ کرتی ہیں۔ سوشل میڈیا، الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر پیش کیے گئے بحث و مباحثے کے پروگرام اور تفریحی پروگراموں میں سطحی اور سوقیانہ باتوں کی کمی نہیں ہوتی۔

بحیثیت مجموعی سماعتیں کُند اور زبانیں تیز دھار آلے کی صورت اختیار کر چکی ہیں جن کا مقصد شرافت و نجابت کے جامے چاک کرنا ہے۔

اس تناظر میں اُردو کی مزاحیہ شاعری کو دیکھیں تو اس میں طنز کی آمیزش غالب نظر آتی ہے۔ مزاح کی مضبوط و مستحکم روایت میں طنز شعرائے کرام کا بنیادی نکتہ ہے جس میں افسردگی اور چبھن نظر آتی ہے اور شاعر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

دین آدھا رہ گیا ایمان آدھا رہ گیا
پھر تعجب کیا جو پاکستان آدھا رہ گیا (۳)

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کی بات طنز کے حوالے سے بہت اہم ہے۔ وہ درست لکھتے ہیں:

''طنز نگار حماقتوں، برائیوں، گناہوں، بد دیانتیوں اور منافقتوں کو نفرت اور حقارت کے تیروں سے چھلنی کر دینا چاہتا ہے۔۔۔ طنز بنیادی طور پر تخریب ہے۔ یہ ایک منفی عمل ہے لیکن زندگی میں بعض اوقات تخریب اور نفی کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔ بعض غلط باتوں کو لوگ اس حد تک قبول کر لیتے ہیں کہ دلائل و براہین کے ساتھ ان کی مخالفت کی جائے تو کوئی نہیں سنتا۔ ایسی حالت میں طنز نگار مضحکہ اڑا کر توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس لیے طنز ایسی تخریب ہے جو اشد ضروری ہے۔ یہ اسی قسم کا تخریبی عمل ہے جس طرح عملِ جراحی یا لرزتی ہوئی دیوار کا انہدام۔''(۴)

پاکستان میں مزاحیہ شاعری کرنے والوں کے ہاں اس تخریب کا عمل جاری ہے۔ اسی لیے ظریفانہ شاعری میں طنز کی کاٹ اور کڑواہٹ زیادہ ہے۔ معاشرتی کج رویوں اور رویّوں کی بدصورتیوں پر کھلم کھلا وار دکھائی دیتے ہیں۔ نیز ان محرکات کی نشاندہی کی گئی ہے جس نے مردہ ضمیری پیدا کی ہے۔

اس ضمن میں کہیں طنز خالص تیکھا اور کہیں مزاح کی شگفتگی کے ساتھ نظر آتا ہے۔ ذیل میں ہم صرف چیدہ چیدہ مسائل کی نشاندہی کریں گے۔ جو ان شعرائے کرام کا مشترک اور غالب موضوع ہیں۔

ہماری سماجی زندگی میں مغربی تہذیب و ثقافت کی یلغار کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ یلغار برٹش سامراج کے دور میں موجود تھی۔ جب نوجوان نسل بالواسطہ اور بلاواسطہ متاثر ہو رہی تھی۔ اب بھی اس تہذیب کی نفوذ پذیری کا شاخسانہ ہے کہ مختلف طبقہ ہائے فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ مغربی اقدار و روایات اور طرز بود و باش کی کورانہ تقلید پر مصر ہیں۔ یہ اثر پذیری کہیں زیریں اور کہیں ظاہری سطح پر نظر آتی ہے۔ فکری اور عملی سطح پر متاثر نسل خواہ اس کا تعلق جوانوں سے ہو یا ادھیڑ عمر لوگوں سے، اس جذب و انضمام کو روکنا ممکن نہیں ہے۔ دنیا گلوبل ویلج بن گئی ہے اس لیے کثیر الثقافتی یلغار فطری بھی ہے۔ لیکن نئی قدروں کے نمو کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ پرانی تہذیب کے نقوش اس طرح مٹا دیے جائیں کہ جدید سانچے میں ڈھلنے کا مفہوم عریانی اور فحاشی سمجھا جانے لگے۔ دیگر اقوام کے طرز بود و باش کی اندھا دھند نقالی کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ مشرق کا تہذیبی و سماجی ڈھانچہ کچھ حدود و قیود کا متقاضی ہے۔ مغرب کی تقلید میں مخلوط کلچر سے معاشرتی تصورات اور اخلاقی ضابطے بدل رہے ہیں۔ تہذیبی ٹکراؤ سے نہ صرف عدم اعتماد بڑھ رہا ہے بلکہ مذموم حرکات و سکنات اور بد تہذیبی کو ماڈرن ازم تصور کیا جا رہا ہے جب کہ مشرقی معاشرے کی تہذیب و ثقافت اور قدریں اپنی نوع اور خصوصیات کے اعتبار سے مختلف ہیں اس ضمن میں طنز سے بھرپور کچھ اشعار ملاحظہ کیجیے:

جنھیں ساڑھی میں آنا تھا وہ پتلونوں میں آئی تھیں
تمیز مرد و زن دشوار تھی کل شب جہاں میں تھا
تھرکنے ، ناچنے ، ٹھمکے لگانے کے تھے سب ماہر
ثقافت برسرِ پیکار تھی ، کل شب جہاں میں تھا (۵)

کیا کہیں ، کس سے کہیں اور کہیں بھی کیسے
جو ہمیں آج کم و بیش نظر آتا ہے
مختصر کپڑوں کا کچھ ایسا چلا ہے فیشن
کچھ نہ کچھ زیر زبر پیش نظر آتا ہے (۶)

حسیناؤں کے کپڑے چھوٹے چھوٹے ہوتے جاتے ہیں
غرارے جانگیے ، لہنگے لنگوٹے ہوتے جاتے ہیں (۷)

قرقیوں پہ قرقیاں ہیں ڈگریوں پر ڈگریاں
پاس کرتا جا رہا امتحاں پر امتحاں
کیا عجب پردہ نشینی بھی وہ کر لیں اختیار
عورتوں کی طرح ہیں جن کے سروں پر چوٹیاں (۸)

کھڑی تھیں ساتھ بیگم ساڑھی باندھے
ادھر سے پیٹ اُدھر سے پیٹھ کھولے
لبوں پہ تہہ بہ تہہ سرخی جمائے
برہنہ بازوؤں پر بال کھولے (۹)

لباس جتنا بھی تنگ اور مختصر ہو گا
مقام ، بزم میں اتنا ہی معتبر ہو گا
قمیص جس کی مہین اور سلیولیس ہو گی
بیان اس کا ہی پُر مغز و پُر اثر ہو گا (۱۰)

آفت کو اور شر کو نہ رکھو جُدا جُدا
دیکھو انھیں ملا کے شرافت کہا کرو
ہر اک لچر سی چیز کو کلچر کا نام دو
عریاں کثافتوں کو ثقافت کہا کرو (۱۱)

معاشرہ مختلف اکائیوں سے مل کر وجود میں آتا ہے۔ پاکستانی معاشرے میں ذہنی انتشار اور بے اعتدال رویوں کا لامتناہی سلسلہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ معاشرہ مختلف اکائیوں اور طبقات میں بٹا ہوا ہے۔ جس میں بسنے والے افراد کے دکھ درد اور احساسات و کیفیات میں بہت کچھ منفرد ہونے کے باوجود مشترک ہے۔ طبقاتی کشمکش اور معاشی اونچ نیچ کے پیچھے معاشرتی تضادات کا دخل ہے۔ پاکستان میں سماجی ڈھانچے پر اثر انداز ہونے والے محرکات خواہ کچھ بھی ہوں یہ حقیقت ہے کہ بھوک، ناداری، غربت و افلاس، معاشی اور معاشرتی خرابیوں کی جڑیں اتنی گہری ہیں کہ ان کا کاٹنا بہت مشکل ہے۔ انفرادی کشاکش نے مصلحت آمیزی کی جو فضا پیدا کی ہے اس نے سوچ کا رُخ اور دھارے تبدیل کر دیے ہیں۔ بہر طور ہر معاشرے کی بقا کی ضمانت اسی میں ہوتی ہے کہ وہ اپنی مخصوص معاشرتی و تہذیبی قدروں کا امین بنے۔ پاکستان کے ظریف شعرا نے اسی لیے جدید تعلیم کے منفی اثرات، اشیا کی گرانی، مفاد پرستی، ہوس، عدم مساوات، مفلوک الحالی، نمود و نمائش، ناخواندگی، اقربا پروری، ریاکاری، بے انصافی، فیشن پرستی، کرپشن اور دیگر مسائل پر شدید اور کڑی نکتہ چینی کی ہے۔ روایت پرستی اور اندھی تقلید پر طنز کیا ہے۔ اعتقاد پرستی پر کاری ضرب لگائی ہے۔

اقربا پروری کے ناسور نے بہت سے اہل لوگوں کے مستقبل کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ مادی آسائشوں کی چاٹ نے حلال و حرام کی تمیز مٹادی ہے۔ اعلیٰ ملازمتوں اور گریڈز کے حصول کے لیے رشوت ستانی، اقربا پروری اور نا اہل لوگوں کی ترقی پر براہ راست طنز کے مختلف انداز ملاحظہ کیجیے:

جب بھی رشوت کا کیا ہے اہتمام
ہو گئیں غالب بلائیں سب تمام
قابلیت پر سیاہی پھر گئی
آ گیا جب بھی سفارش کا مقام (۱۲)

حاکمِ رشوت ستاں فکر گرفتاری نہ کر
کر رہائی کی کوئی آسان صورت چھوٹ جا
میں بتاؤں تجھ کو تدبیر رہائی مجھ سے پوچھ
لے کے رشوت پھنس گیا ہے دے کے رشوت چھوٹ جا (۱۳)

جس شخص کو اوپر سے کمائی نہیں ہوتی
سوسائٹی اس کی کبھی ہائی نہیں ہوتی (۱۴)

جس ملک میں رشوت اور ریاکاری معیوب نہیں رہتی
اس ملک میں رفتہ رفتہ کوئی شئے بھی خوب نہیں رہتی (۱۵)

ہے بہت مشکل رسائی اک سیاست کار تک
کیا کہوں اس مرحلے میں کتنی کوشش چاہیئے
نوکری بھی یوں تو ملتی ہے سفارش سے مگر
ان سے ملنے کے لیے بھی ایک سفارش چاہیے (۱۶)

سادگی کی بات مَرمَر کی سلوں پر بیٹھ کر
جو کی روٹی جس طرح کھاتا ہو کوئی گھی کے ساتھ (۱۷)

قول و فعل میں تضاد کی ایک مثال دیکھیے:

عدم مساوات کی فضا میں امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا جارہا ہے۔ معاشرے کا معزز فرد اور صاحب کردار اپنی عزت بچاتا پھرتا ہے۔ یہاں تک کہ پیشوں اور کاموں کے اعتبار سے عزت و نجابت کے معیار مقرر ہیں۔ اس ملک میں لاقانونیت ہے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مصداق طاقت ور کی اہمیت ہے۔

ہر علمی مضمون دھرا رہ جاتا ہے
قاعدہ اور قانون دھرا رہ جاتا ہے
مجرم ہو گر ایم این اے کا رشتے دار
ایس ایس پی کا فون دھرا رہ جاتا ہے (۱۸)

لا وارث بے چارے پہ قانون ہوتا ہے لاگو
کمزور تو پکڑا جاتا ہے ، طاقت ور ہے قابو (۱۹)

افلاطون نے خواب میں مجھ کو یہ نکتہ سمجھایا
جو بندہ بھی ہوگا ماڑا ، مارا جائے گا (۲۰)

جھگڑا ہی مٹ گیا ہے بہ فیضِ مذاکرات
بولے گا کس لیے کوئی صلح و صفا کے بعد
تفتیش کی تو اب کوئی تشویش ہی نہیں
خاموش ہو گئی ہے پولیس مک مکا کے بعد (۲۰)

''جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی''
اس کھیت میں پتوں کی جگہ نوٹ لگا دو
جعلی ہیں جو کھادوں کے سہارے سے اُگے ہیں
''اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو'' (۲۱)

پاکستانی معاشرے میں خوشامد کلچر عام ہے۔ اب علم و ہنر، لیاقت و دیانت، شرافت، وضع داری اور رکھ رکھاؤ سے دور رہنا ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔ خوشامد، جوڑ توڑ اور نااہلی سرمایہ ہے۔ موقع شناس، مقتدر طبقے کے معائب کو محاسن میں ڈھالنے کا فن خوب جانتے ہیں۔

زندگی میں اس قدر بے چارگی اچھی نہیں
دل میں ہر دم جذبۂ تدبیر ہونا چاہیے (۲۲)

صاحبِ توقیر ہونے سے تو کچھ ملتا نہیں
آدمی کو صرف چمچہ گیر ہونا چاہیے (۲۳)

ماتحت افسروں کو مکھن لگا رہے ہیں
مکھن لگا لگا کر اُلو بنا رہے ہیں
تعریف کر رہے ہیں پانی چڑھا رہے ہیں
افسر پھیل پھیل کر شیشے میں آ رہے ہیں (۲۴)
مکھن لگاؤ بھیا ! مکھن سے کام ہوگا

طوفان بہت گزرے ، بھونچال بھی آئے ہیں (۲۵)
قائم ہے مگر اب تک دیوار خوشامد کی

ہوئے جب مدحِ باس میں غرق تو ہر ایک حد سے گزر گئے (۲۶)
وہ جو شخص زیرو سے کم نہ تھا، اُسے ہم نے ہیرو بنا دیا

روٹی کپڑا اور مکان انسان کی بنیادی ضرورتیں ہیں لیکن عام انسان ان بنیادی سہولتوں سے بھی محروم ہے۔ ملک ظلمت اور کرپشن کے اندھیروں میں توڈوبا ہی ہوا ہے۔ بجلی کی عدم موجودگی نے ظاہری اندھیروں میں بھی اضافہ ہی کیا ہے۔

کھیت ہیں پیاسے ، پیاسے اپنے جہلم اور پنجاب
ہم کرتے ہیں اپنے دیس کو اشکوں سے سیر اب
چھت عنقا ہے تن ہے ننگا ، آٹا ہے نایاب
ان حالات میں کیا کرنا ہے پڑھا لکھا پنجاب (۲۷)

اُلّو بول رہا تھا اپنی زوجہ سے
بجلی کی قلت نے کام سنوارا ہے
پہلے کوئی گوشہ ڈھونڈنا پڑتا تھا
اب تو پورا پاکستان ہمارا ہے (۲۸)

شہر میں ہر طرف اندھیرا ہے
یہ بھی اندازِ واپڈائی ہے (۲۹)

سیاسی ایوانوں میں جامد نظریات اور ملک کی بقا و استحکام سے غافل لوگ اپنی آسائشات میں اضافے کے متمنی ہیں۔ جب کہ گرانی کے ہاتھوں غریب کے لیے سانس کی ڈوری بر قرار رکھنا بھی مشکل ہے۔

گوشت کھانے کی تمنا کیا بھلا کوئی کرے
دال بھی ملتی نہیں ہے اب تو آسانی کے ساتھ (۳۰)

مٹن اور دال کی قیمت برابر ہو گئی جب سے
یقین آیا کہ دونوں میں حرارے ایک جیسے ہیں (۳۱)

چیختے ہیں مفلس و نادار آٹا چاہیئے
لکھ رہے ہیں ملک کے اخبار آٹا چاہیئے
مرغیاں کھا کر گزارہ آپ کا ہو جائے گا
ہم غریبوں کو تو اے سرکار آٹا چاہیئے (۳۲)

حاکم نے کیک کھانے کا ہے مشورہ دیا
آٹے کا روز روز کا جھگڑا ہی چھوڑ دیں
پینے کا صاف پانی بھی ملتا ہے قیمتاً
بہتر یہی ہے اب اُسے پینا ہی چھوڑ دیں (۳۳)

ان شعرائے کرام کے ہاں مہنگائی کی وجوہات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ایڈ کی کھاد سے جو پنپی تھی
یہ اسی فصل کی کٹائی ہے
ہائے مہنگائی ہائے مہنگائی

آئی ایم ایف کی دہائی ہے (۳۴)

اس مرتبہ بھی ہم سے وہ ہینڈ کر گیا ہے
ٹیک آف کرتے کرتے پھر لینڈ کر گیا ہے
ویسے ہی IMF اب کر رہا ہے ہم سے
جو دو سو سال پہلے انگلینڈ کر گیا ہے (۳۵)

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اشیاء کی گرانی بھی ہے اور جو ملتی ہیں وہ ناقص اور غیر معیاری ہیں۔

شیخ صاحب نے کیا واقف ہمیں اس راز سے
چھٹ گئی ہم سے ملاوٹ تو بکھر جائیں گے ہم
ابتدا سے آج تک خوراک نا خالص ملی
اب اگر خالص غذا کھائی تو مر جائیں گے ہم (۳۶)

گرانی نے خانگی زندگی پر جو اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس کے انداز ملاحظہ کیجیے۔

ہوئی جو دال گراں اور سبزیاں مہنگی
کچن میں جا کے بھلا کیا وہ دل نواز کرلے
معاملاتِ محبت کا اب یہ عالم ہے
میں پیار پیار کروں وہ پیاز پیاز کر لے (۳۷)

اب کے بھی گزری ہماری عید یارو بے ثمر
کچھ نہ چکھا تلخیِ کربِ مسلسل کے سوا
ہم بھلا بازار سے لیتے تو کیا لیتے اسدؔ
کوئی پھل سستا نہیں تھا صبر کے پھل کے سوا (۳۸)

مذہبی گروہ بندی اور مذہب کی آڑ میں فرقہ واریت اور مذہبی منافرت پھیلانے والوں کے لیے بھی استہزائیہ انداز اپنایا گیا ہے۔ واعظ و زاہد کے قول و فعل میں کھلا تضاد ہے۔ ایمان برائے فروخت ہے۔ تعصب اور نفرت کی آگ پھیلانے والے شر انگیز عناصر اپنوں کا گلہ کاٹنے کا درس دے رہے ہیں۔ یک جہتی، یگانگت اور بھائی چارے کی بجائے انتشار اور نفاق کا بیج بو کر اُمت مسلمہ کو ناقابلِ

تلافی نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔ طنزیہ و ظریفانہ شاعری میں کٹھ ملائیت پر برگشتگی اور برہمی کا انداز ملاحظہ کریں:

عالم اسلام میں یہ کیا خرابی ہو گئی
یہ ہوئی سُنّی تو وہ مسجد وہابی ہو گئی
ملتِ توحید اور تفریق اللہ رے ستم
کفر کے فتوے لگانے ان کی ہابی ہو گئی (۳۹)

کرتے ہیں مساوات کی تبلیغ وہ جوں جوں
بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں طبقات مسلسل
ملاؤں نے اسلام کے ٹکڑات کیے ہیں
مسئلات سے پھیلاتے ہیں نفرات مسلسل (۴۰)

مسلمانوں کی خواہش ہے کہ وہ سب ایک ہو جائیں
مگر ان کو اکٹھا مولوی ہونے نہیں دیتے (۴۱)

کاٹ دار لب ولہجے کی چند مثالیں مزید دیکھیں:

بنوائیں گے بنگلے چاروں صوبے میں
مولانا نے اپنے دل میں ٹھانی ہے
حیرت ہے تو بس اتنے سے نکتے پر
اوروں کو کہتے ہیں دنیا فانی ہے (۴۲)

آٹھ دس کی آنکھ پھوٹی، آٹھ دس کا سر کُھلا
لو خطیب شہر کی تقریر کا جوہر کُھلا (۴۳)

کھلائے جو بھی حلوہ تم اسی کا ساتھ دیتے ہو

ہمیں واعظ تمھاری پالیسی اچھی نہیں لگتی (۴۴)

فروعی اختلافات اور بے بنیاد باتوں کو ہوا دینے والے ایک طرف ہیں دوسری طرف نام نہاد مذہبی رسومات کی پیروی میں عوام الناس کسی طور کم نہیں۔ مذہبی رسوم (Rituals) کی اہمیت سے آشنا ہیں، لیکن مذہب کی اصل روح سے ناواقف ہیں۔

اگرچہ پورا مسلمان تو نہیں لیکن
میں اپنے دین سے رشتہ تو جوڑ سکتا ہوں
نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ کچھ نہ سہی
شبِ برات پٹاخہ تو چھوڑ سکتا ہوں (۴۵)

ہیں نمازی ان مساجد میں کہاں
گویا محرومِ گہر ہے ہر صدف (۴۶)

ہو گیا ہے آج کل پیروں پہ اتنا اعتقاد
پیر جی نے کہہ دیا لڑکا تو لڑکا ہو گیا
مسجدیں کچّی تھیں جب ایمان پکّا تھا بہت
مسجدیں پکّی ہوئیں ایمان کچّا ہو گیا (۴۷)

سراپا انتظار عید روزہ دار رہتے ہیں
انھیں روزوں کے پچھلے دِن ذرا سونے نہیں دیتے
نظر آئے نہ آئے چاند لیکن چاند ہوتا ہے
مسلماں تیسواں روزہ کبھی کرنے نہیں دیتے (۴۸)

اس ملک میں تعلیمی نظام کے کھوکھلا ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ اب ڈگریاں تو ہاتھوں میں ہیں لیکن تربیت کا عنصر غائب ہے۔ تعلیم تہذیب اور شرافت نہیں سکھا رہی۔ استاد اور شاگرد کے رشتے سے احترام، خلوص اور محبت کا عنصر غائب ہو گیا ہے۔

پروفیسر ہی جب آتے ہوں ہفتہ وار کالج میں
تو اونچا کیوں نہ ہو تعلیم کا معیار کالج میں (۴۹)

پرچہ بس دس منٹ میں باہر ہے
حل شدہ گھنٹہ بھر میں اندر ہے
پھر تو ہر چڑ کٹا سکندر ہے
ہر اناڑی کی ضرب کاری ہے
نقل کا کاروبار جاری ہے (۵۰)

جس سے گھر چلے نہ ملک چلے
ایسی تعلیم کا کیا کرے کوئی (۵۱)

کبھی ''ماں'' لا رہا ہے گورکی کی
کبھی چیخوف لے کر آ رہا ہے
اور اس کے بعد بیٹا جامعہ سے
کلاشنکوف لے کر آ رہا ہے (۵۲)

بے عملی کی وجوہات میں سے ایک وجہ ناقص نظام تعلیم اور اساتذہ کی اپنے پیشے سے بد دیانتی ہے اس لیے نوجوان نسل کی زندگی کا مقصد کوئی نہیں ہے۔ اقبال کا شاہین اب ایسا ہے:

جدا کتنی ہیں خوابوں سے مرے خوابوں کی تعبیریں
دکھاؤں قوم کو کیا کیا نظامِ نو کی تصویریں
نئی عظمت ، نئی سیرت ، نئی دولت ، نئی بیگم
جہادِ زندگی میں اب یہ ہیں مردوں کی شمشیریں (۵۳)

سرکاری دفاتر اور اداروں کی ناقص کارکردگی کا یہ عالم ہے کہ اپنے فرائض سے روگردانی اور کام چوری مزاج کا حصہ بن چکی ہے۔ مفت کی روٹیاں توڑنے والے سرکاری مال کو مالِ غنیمت کی طرح استعمال کرنے اور فرائض سے اغماض برتنے کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔

اٹھائے ٹانگ کرسی پر جو مکھی مار بیٹھے ہیں
لگا کر فائلوں کے میز پر انبار بیٹھے ہیں
کہیں ہیں خود بہ خود خالی کہیں پر میز ہے خالی
یہاں دو چار بیٹھے ہیں وہاں دو چار بیٹھے ہیں (۵۴)

گھر میں آ کر ریسٹ کرو اور دفتر میں آرام کرو
اور اس کارِ خیر کو جتنا کر سکتے ہو عام کرو
عزت اور توقیر سے رہنا چاہتے ہو تو چپکے سے
پیسے دے کر کام کراؤ ، پیسے لے کر کام کرو (۵۵)

سرکاری خزانے میں زکوٰۃ اتنی رکھی ہے
کھا سکتے ہیں دن رات جسے جن و بشر بھی
کچھ بانٹنے والوں میں یہ بٹ جائے گی اک دن
"اے خانہ بر اندازِ چمن کچھ تو اِدھر بھی" (۵۶)

جب کرپشن، ناانصافی اور بدعنوانی کا دور دورہ ہو۔ دیانت داری ناپید ہو جائے منافقت کا راج ہو جائے، شرم وحیا عنقا ہو جائیں تو شاعر اس انداز میں طنز کیوں نہ کریں:

اللہ کا ڈر ، عدل و وفا ، شرم و حیا ضبط
اس دور میں فرمایئے کیا کیا نہ ہوا ضبط
اس ملک کا انجام ہو کیا جانے کہ جس میں
ہے خیر سے ہر چیز برائی کے سوا ضبط (۵۷)

وہ تھانہ ہو شفاخانہ ہو یا پھر ڈاک خانہ ہو
رفاہ عام کے سارے ادارے ایک جیسے ہیں (۵۸)

آج کے دور میں انسان کی عزت و تکریم پر بھی سوال اٹھائے جا رہے ہیں۔

وہ سمجھتا تھا کہ یہ بھی اشرف المخلوق ہے
آدمی کو دیکھ کر شیطان آدھا رہ گیا
ناپ کر دیکھا تو قد میں کچھ درازی آ گئی
تول کر دیکھا تو ہر انسان آدھا رہ گیا (۵۹)

ہماری سماجی زندگی کا ایک تکلیف دہ رخ یہ ہے کہ بعض والدین اولاد کی شادی کے حوالے سے آئیڈیل ازم کا شکار رہتے ہیں۔ بے جوڑ شادیوں کا رواج عام ہے۔ جہیز نہ لانے پر لڑکیاں زندہ جلا دی جاتی ہیں۔ اس سماجی مسئلے کی مختلف شکلیں ہیں۔

سوچتا ہوں پھر کہ ساری زندگی ہے مستعار
یہ زمانے کی روش ہے میں بھی لوں سودی اُدھار
ورنہ لڑکی میرے گھر سے جا کے ہو گی شرمسار
کیا جہیز آیا ہے ساتھ اُس سے کہیں گے بار بار
اے مری نورِ نظر، لختِ جگر، جانِ پدر
دوں گا میں تجھ کو جہیز اب جان پر بھی کھیل کر (۶۰)

کسی غریب کی بیٹی کی رخصتی پہ اسد
یہ خوف ذہن سے میرے نہ ایک پل جائے
ہوس کی آگ بہت بد لحاظ ہوتی ہے
وہ بد نصیب کچن میں کہیں نہ جل جائے (۶۱)

جب اک الّھڑ بنی دلہن کسی بوسیدہ شوہر کی

تو اس کے سُرخ جوڑے کو کفن لکھنا پڑا مجھ کو (۶۲)

دلھن کمسن حسیں ہے اور دولھا
ہیں بوڑھے جھریوں سے سج رہے ہیں
دلھن کی عمر ہے بارہ برس
اُدھر چہرے پہ بارہ بج رہے ہیں (۶۳)

ظریفانہ شاعری میں سیاسی قیادت، سیاسی میلانات اور پیچ وخم پر بھی شدید طنز ملتا ہے۔ قوم کی فلاح و بہبود کے دعوے دار اگر واقعی اہل اور دیانت دار ہیں تو ہمارا معاشرہ ترقی کی بجائے تنزلی کی طرف گامزن کیوں ہے ۔ پاکستان کے زوال اور پس ماندگی کی وجوہات تلاش کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ راہبروں کے روپ میں چھپے رہزن اس کی ایک اہم وجہ ہیں۔ ارباب اقتدار و اختیار کی ہوس پرستی، خود غرضی، بدنیتی، کرپشن اور ذاتی مفادات نے ملکی اداروں کو پھلنے پھولنے نہیں دیا۔ اس پر طرّہ یہ ہے کہ سب ایک جیسے ہیں۔ عوام کے دل میں سیاست دانوں کے یہ منفی رویے تنفر پیدا کرنے کا باعث ہیں۔

مشینیں جو نہیں کرتیں وہ اک انسان کر دے گا
جو کوئی کر نہیں سکتا سیاست دان کر دے گا
کھلا دے گا ہوس کے پھول وہ لالچ کے پیڑوں پر
مدد اس کی تو ایسے کام میں شیطان کر دے گا (۶۴)

کیا بتاؤں تمھیں خدّامِ وطن کے منیو
پی کے کیا کھاتے ہیں کیا کھا کے پیا کرتے ہیں
کچھ بھی پیتے نہیں یہ قوم کی یخنی کے سوا
ناشتہ ملتِ بیضا کا کیا کرتے ہیں (۶۵)

پہنچ گئے ہیں الیکشن کے پھر دوراہے پر
تمھی بتاؤ مرے بھائی کس طرف جائیں

اُدھر "میاں" ہے اِدھر "مائی" کس طرف جائیں
اِدھر کنواں ہے اُدھر کھائی کس طرف جائیں (۶۶)

میں نے کہا کہ ہے مجھے کرسی کی آرزو
اس نے کہا کہ آیت کرسی پڑھا کرو (۶۷)

کم زور اور کھوکھلا جمہوری نظام آمریت کے ہاتھ خود مضبوط کرتا ہے۔ فوجی حکمرانوں کی آمریت، استعمار اور کرب انگیز گھٹن پیدا کرنے کے لیے اسباب و علل فراہم کرنے والے حکمران ہی ہیں۔

سیاسی کم نگاہی رنگ لائی
ہمیں پھر مارشل لاء ہو گیا نا
مسلماں خاکساری کرتے کرتے
مُصَلّی سے مُصلّیٰ ہو گیا نا (۶۸)

پارلیمانیِ نظامِ بندوبست
فطرتاً کچھ آمریت جست ہے
عدلیہ زنجیر کرتی ہے اسے
"پارلمنٹ" ایک فیلِ مست ہے (۶۹)

اقبال نے قوم کی باگ دوڑ سنبھالنے والے رہنما کے لیے نگہ بلند، سخن دلنواز اور جاں پُر سوز ہونے کی خواہش کی تھی۔ لیکن اب میر کارواں کی علمیت و قابلیت کے معیار بدل چکے ہیں۔ حسد، لالچ، کینہ اور ذاتی اغراض کی پوجا کرنے والا ہی ایوان بالا و زیریں میں کامیاب ہے۔

گفتار کے غازی ہو تو بن سکتے ہو لیڈر
تقریروں سے پبلک کو کرو رام فٹافٹ (۷۰)

میرا بیٹا بات سچی کوئی بھی کرتا نہیں
میرے بیٹے کو سیاست دان ہونا چاہیے (۷۱)

اسے ضعف بصیرت ہے اُسے ضعف بصارت ہے
ہمارے دیدہ ور سارے کے سارے ایک جیسے ہیں (۷۲)

ایک بنگلہ ہو ایک موٹر ہو
پل کی پل میں امیر ہو جاؤں
دستخط تو مجھے بھی آتا ہے
کاش میں بھی وزیر ہو جاؤں (۷۳)

حکمرانوں کے نزدیک اپنی فلاح و بہبود مقدم ہے اس لیے وہ مفلوج ذہنیت رکھنے والے یرغمالی ووٹروں کو سیاسی رشوت دیتے ہیں۔ ووٹرز اور الیکشن کے عملے کی خاطر مدارات کے لیے جو مال وزر خرچ ہوتا ہے وہ عوام کی جیبوں سے برآمد کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ عوام کو سبز باغ دکھانے والے منافق حکمرانوں کو عوام کے مسائل سے کوئی واسطہ نہیں۔

ووٹ لینے کے واسطے جاناں
سر پہ سارے وبال لیں گے ہم
جو بھی ہوتا ہے خرچ ہونے دو
ساری کسریں نکال لیں گے ہم (۷۴)

جلسوں میں کھوکھلے نعرے لگاتے اور عوام کو ریلیف دینے اور ان کی کایا پلٹ دینے کے دعوے دار صرف سیاست چمکاتے ہیں۔ طے شدہ سیٹوں پر بکے ہوئے ووٹرز کی وجہ سے عوام کی زندگی زنگ آلود ہی رہتی ہے۔

میں جھوٹا تو نہیں لیکن یہ دستور زمانہ ہے
کہ ووٹر مرغ الیکشن جال ہے منشور دانہ ہے (۷۵)

الیکشن سے ہو تطہیر سیاست
یہ کوشش بھی اکارت ہو چلی ہے
نہ کیوں بک جائیں ووٹر اور ممبر
وزارت ہی تجارت ہو چلی ہے (۷۶)

بس اب پرسوں الیکشن ہو رہا ہے
نہ کوئی بعد ازاں فاقے کرے گا
چکن کھا کر مرے گا جو مرے گا
جو گھنٹہ بھر کو مزدوری کرے گا
زر و گوہر اس کے گھر بھرے گا (۷۷)

شعرائے کرام نہ صرف پاکستان کی سماجی اور اقتصادی حالت کے دگر گوں ہونے پر ملول اور افسردہ نظر آتے ہیں۔ بلکہ سپریم طاقتوں کی بے جا دخل اندازی کو بھی ہدفِ تنقید بناتے ہیں۔ مقتدر طاقت ور اقوام کمزور اقوام پر اجارہ داری قائم کیے ہوئے ہیں۔ ان اقوام کا استحصال جاری ہے۔ تصویر کا دوسرا تکلیف دہ رُخ یہ ہے کہ ہماری قوم اور حکمران ابھی تک ذہنی غلامی کا شکار ہیں۔ اقوام عالم سے تصادم کسی طرح بھی سُود مند نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے سامنے اس حد تک گھٹنے ٹیک دیے جائیں کہ انا اور خودداری کا خون ہو جائے اور ملکی سالمیت خطرے میں پڑ جائے۔

امریکہ اور رُوس نے اے رب کائنات
ٹھیکہ لیا ہوا ہے تری کائنات کا (۷۸)

قابلِ نفرت ہے کیوں وہ ساری دنیا کے لیے
ایک لمحے کے لیے بھی اس نے یہ سوچا نہیں
وہ زمانے بھر کو دہشت گرد کہتا ہے مگر
کوئی دہشت گرد اُس کی گرد کو پہنچا نہیں (۷۹)

سخاوت میں بھلا امریکیوں کا کون ثانی ہے
جو بوٹی مانگیے تو مرغ سالم بھیج دیتے ہیں
پھر اپنے ملک پر تو ان کی اس درجے عنایت ہے
کہ صاحب ایڈ کے پیکج میں حاکم بھیج دیتے ہیں (۸۰)

جس نے بھی توپ چھوڑ کے بش شرٹ پہن لی
اس کو تو کوئی خوف نہیں اپنی جان کا
کڑوے بہت بیان تھے ٹونی بلیئر کے
سنتے تھے ہم سویٹ ہے گورا زبان کا (۸۱)

امریکیوں کا زعم و تمرّد نہ کیوں بڑھے
ہر ملک سجدہ ریز ہے ان کی جناب میں
حائل بس اس کی راہ میں ہیں فنڈامنٹلسٹ
آ جائے جس طرح کوئی ہڈی کباب میں (۸۲)

اِدھر بُش اور اُدھر ٹونی بلیئر
بنا ہے خوب ان دونوں کا پیئر
نہ ہونے دیں گے قائم امن عالم
یہ دہشت گردی کے دونوں پلیئر (۸۳)

صدر نے پرسوں یو این او میں جا کر جب ایڈریس کیا
اپنوں کو تو No کہہ ڈالا اور غیروں کو Yes کیا
سستے بھاؤ کر ڈالا پھر سودا خود مختاری کا
نکتہ بھی یہ اس کی ہی تقریر سے ہم نے Guess کیا (۸۴)

مغربی اقوام ترقی یافتہ ہیں اس لیے اُن معاشروں کی چکا چوند مشرق کے باسیوں کی آنکھیں خیرہ کر رہی ہے۔ یہ سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے۔

ہم اس تقلیدِ افرنگی کے ہاتھوں
بہت پامال ہو کر رہ گئے ہیں
ہمارا حال اب کیا پوچھتے ہو
فقط نقّال ہو کر رہ گئے ہیں (۸۵)

ایک وِرکر نے کہا چپکے سے میرے کان میں
قوم ہے مشکل میں اور مشکل کشا انگلینڈ میں
واپس آتے وقت اک عمرہ بھی کرتے آئیں گے
ہے خدا مکّے میں لیکن ناخدا انگلینڈ میں (۸۶)

شعر و ادب نہ صرف معاشرے کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ قلم کی طاقت کے ذریعے قوموں کی زندگی میں تبدیلی بھی لائی جاسکتی ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اس ہنر سے آشنا لوگوں کے بھی تخلیقی سوتے شاید خشک ہو چکے ہیں۔ وہ تحریک اور تحرک جو قلم کے ذریعے پیدا کیا جاسکتا ہے اس کی شدت سے کمی ہے۔ اب اصلی اور سچے جوہر دیکھنے والوں میں فرسودہ، نام نہاد اور خوشہ چیں بھی شامل ہو گئے ہیں۔ جو دوسروں کے الفاظ و خیالات کو مستعار لے کر ادبی قد بڑھاتے ہیں ان کے قلم بک چکے ہیں۔ معاشی مجبوری، ڈر یا خوف کی وجہ سے سچ لکھنے سے گھبراتے ہیں۔ ان شعرا نے قلم کی حرمت بیچنے والوں پر طنز کیا ہے۔

کون کہتا ہے میں نہیں شاعر
اک غزل لے کے میں بھی آیا ہوں
اس کو چھوڑیں کہ شعر کس کے ہیں
ان کو لکھ کر تو میں ہی لایا ہوں (۸۷)

بسا اوقات حرمت بھی قلم کی داؤ پر رکھ دی

لٹیروں کو محبان وطن لکھنا پڑا مجھ کو (۸۸)

نظم جب آغاز کی اک شاعرِ معروف نے
دست بستہ ہو کے اک خاتون نے کھولی زباں
کچھ تو اب تازہ عطا کیجئے کہ یہ نظمِ ضعیف
سنتے سنتے ہو گئے ہیں میرے بچے بھی جواں (۸۹)

یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ خلاقانہ صلاحیتوں کے حامل افراد کو پذیرائی نہیں ملتی۔ قوم کی ترجیحات بدل گئی ہیں۔ پھکڑ پن، فحاشی اور کاروباری ذہنیت نے صحت مند رجحانات کی جگہ لے لی ہے۔

سنسنی خیز اُسے کوئی اور شئے نہ ملی
میری تصویر سے وہ شام کا اخبار چلا
اک اداکار رُکا ہے تو ہوا ہے اتنا ہجوم
مڑ کے دیکھا نہ کسی نے جو قلم کار چلا (۹۰)

بحیثیت مجموعی اردو کی ظریفانہ شاعری میں پاکستانی معاشرے کے گوناگوں مسائل کی عکاسی کی گئی ہے جن میں سے صرف چند کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔

پاکستانی مزاحیہ شاعری کی روایت میں عطا محمد چشتی، نذیر احمد شیخ، چونچال سیالکوٹی، آزر عسکری، مجید لاہوری، ظریف جبل پوری، عبیر ابوذری، سیّد ضمیر جعفری، سید محمد جعفری، فکر تونسوی، مسٹر دہلوی، دلاور فگار، مسعود انور شفقی، امیر السلام ہاشمی، انور مسعود، عنایت علی خان، اسد جعفری، ضیاالحق قاسمی، سرفراز شاہد، نیاز سواتی، شاہد الوری، اطہر شاہ خان جیدی، انعام الحق جاوید، خالد عرفان اور خالد مسعود سمیت شعرا کی ایک طویل فہرست نظر آتی ہے۔ ان شعرائے کرام نے پاکستانی معاشرے کے مسائل کو بہت عمدگی سے پیش کیا ہے۔

یہ دنیا سکڑ کر بھی ایک لحاظ سے پھیلی ہوئی ہے۔ سائنسی علوم کی ترقی اعلیٰ اخلاقی قدروں کے حق میں سمّ قاتل ہے۔ معاشی ترقی معاشرتی تنزل کا پیش خیمہ ہے۔ اس لیے طنزیہ و ظریفانہ شاعری میں الفاظ اور خیال کی مدد سے بنائی گئی یہ چھوٹی چھوٹی تصویریں مل کر پاکستانی معاشرے کی وسیع تصویر مکمل

کرتی ہیں۔ ان سماجی تصویروں کی مدد سے پاکستان کے جو نقوش اُبھر کر سامنے آتے ہیں اُن میں بد امنی، گرانی، بے روزگاری، سمگلنگ، ذرائع اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم سے لے کر کم سنی میں شادی، اساتذہ اور طالب علموں کے رویے غرض یہ کہ ہر گوشۂ زندگی کی جھلک موجود ہے۔ یہ ہمارے سماج کے مکروہ اور غلیظ رُخ کی کہانیاں ہیں جو چار دانگ بکھری ہوئی ہیں۔ شعرائے کرام نے مختلف تمثالوں، تلمیحات، تشبیہ و استعارات، قول محال، تضمین، تحریف اور دیگر فنی حربوں سے کام لے کر تاثر کو گہرا کرنے کا کام لیا ہے۔

پاکستان کے سماجی و سیاسی حالات کے تناظر میں یہ شاعری جمود کے خلاف احتجاج، قوم کی بیداری اور اجتماعی قومی شعور کو جگانے کا باعث ہے۔ ان شعرائے کرام نے تجزیاتی بصیرت و بصارت کی مدد سے قومی ضمیر کو چرکے لگائے ہیں۔ قومی زندگی کی تلخیوں، پیچیدگیوں اور اُلجھنوں کو طنز و مزاح پیرائے میں پیش کرنے کے پس پشت مثبت اقدار و روایات کا فروغ بھی ہے۔ یہ فکاہیہ شاعری اصل میں سنجیدہ شاعری ہے جس میں معنی و مفہوم کی تفہیم و ترسیل کے ساتھ بھرپور دلائل موجود ہیں۔ وقتی غلغلے اور ہنگامی نوعیت کے موضوعات کے متعلق بھی کیا کہا جائے کہ بیسویں صدی کی آخری پانچ دہائیاں انھیں مسائل کو ساتھ لے کر ماضی کی پنہائیوں میں گم ہو چکی ہیں اور اکیسویں صدی کی دوسری دہائی اختتام پذیر ہونے کو ہے۔ بادی النظر میں اسی لیے ان موضوعات میں تکرار و تواتر محسوس ہوتا ہے لیکن یہ اردو کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری کے وہ رجحانات ہیں جو بے مقصد نہیں ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر۔ گل ہائے تبسّم۔ اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص ۲۲

۲۔ سر فراز شاہد۔ خندہ بازار پر ایک نظر۔ مشمولہ خندہ بازار۔ فیصل آباد: مثال پبلشر ز، ۲۰۱۴ء، ص ۲۲

۳۔ دلاور فگار۔ کلیات دلاور فگار۔ کراچی: فرید پبلشر ز، س ن، ص ۳۵۱

۴۔ خواجہ محمد زکریا۔ اکبر الٰہ آبادی تحقیقی و تنقیدی مطالعہ۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء، ص ۲۳۳، ۲۳۴

۵۔ امیر السلام ہاشمی۔ گر تو بُرا نہ مانے۔ راول پنڈی: نیرنگ خیال پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء، ص ۱۰۱

۶۔ امیر السلام ہاشمی۔ ضرب ظرافت۔ کراچی: فضلی سنز، ۲۰۰۰ء، ص ۱۶

۷۔ سلیمان گیلانی، سیّد۔ مشمولہ گل ہائے تبسّم ۲۔ (مرتب)۔ ڈاکٹر انعام الحق جاوید۔ اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص ۱۱۶

۸۔ مرزا محمود سرحدی۔ اندیشۂ شہر مرتب فارغ بخاری۔ لاہور: آئینہ ادب۔ ۱۹۷۰ء، ص ۸۳

۹۔ عنایت علی خان۔ کلیات عنایت۔ کراچی: سردار سنز، ۲۰۱۳ء، ص ۱۹۸، ۱۹۹

۱۰۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر۔ لایعنی۔ اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۹۸

۱۱۔ انور مسعود۔ قطعہ کلامی۔ اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰، ص ۹۵

۱۲۔ مسعود انور شفقی۔ رات اور اُلّو۔ پشاور: مکتبہ شاہین، ۱۹۷۴ء، ص ۶۳

۱۳۔ دلاور فگار۔ کلیات دلاور فگار، ص ۵۵۱

۱۴۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر۔ خوش بیانیاں۔ اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص ۱۱۵

۱۵۔ ضمیر جعفری، سیّد۔ نشاط تماشا۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص ۶۳۹

۱۶۔ اسد جعفری۔ خندہ نواز۔ لاہور فکشن ہاؤس۔ ۱۹۹۹ء، ص ۹۳

۱۷۔ ضمیر جعفری، سیّد۔ نشاط تماشا، ص ۲۳۳

۱۸۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر۔ لایعنی، ص ۱۲۴

۱۹۔ فاروق قیصر۔ میرے پیارے اللہ میاں۔ لاہور۔ تخلیقات، ۲۰۱۱ء، ص ۵۸

۲۰۔ خالد مسعود۔ مشمولہ گل ہائے تبسم۔ (مرتب) ڈاکٹر انعام الحق جاوید، ص ۱۳۰

۲۱۔ انور مسعود۔ روز بروز۔ اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص ۱۲۵

۲۲۔ نذیر شیخ۔ واہ رے شیخ نذیر۔ (ترتیب و تدوین) سرفراز شاہد۔ اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص ۲۲۶

۲۳۔ اسد جعفری۔ خندہ نوازی، ص ۱۱۷

۲۴۔ عنایت علی خان۔ کلیات عنایت، ص ۱۷۰

۲۵۔ انوازعزمی۔ مشمولہ گل ہائے تبسّم ۲۔ (مرتب) ڈاکٹر انعام الحق جاوید، ص ۴۳

۲۶۔ نیاز سواتی۔ بے باکیاں۔ ایبٹ آباد: سرحد اُردو اکیڈمی، ۱۹۹۳ء، ص ۴۹

۲۷۔ زاہد فخری۔ کدی تے ہیکے جانی بیگم۔ لاہور: دعا پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص ۴۴

۲۸۔ بدر منیر، ڈاکٹر۔ خندہ بازار۔ فیصل آباد: مثال پبلی شرز۔ ۲۰۱۴ء، ص ۲۳

۲۹۔ بشیر احمد چونچال۔ منقار۔ اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص ۹۹

۳۰۔ ایضاً، ص ۱۰۱

۳۱۔ سرفراز شاہد۔ ڈش انٹینا۔ اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص ۵۹

۳۲۔ مجید لاہوری مشمولہ مزاحیہ مشاعرہ۔ (مرتب) شاکر حسین شاکر۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۱۱۳

۳۳۔ زاہد فخری۔ کدی تے ہیکے جانی بیگم، ص ۸۹

۳۴۔ عنایت علی خان۔ کلیات عنایت۔ ۲۹۲

۳۵۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر۔ خوش بیانیاں، ص ۱۲

۳۶۔ اسد جعفری۔ خندہ نوازی، ص ۶۷

۳۷۔ سرفراز شاہد۔ ڈش انٹینا، ص ۲۳۵

۳۸۔ اسد جعفری۔ خندہ نوازی، ص ۷۹

۳۹۔ بشیر احمد چونچال۔ منقار، ص ۱۵۰

۴۰۔ عبیر ابوذری۔ مشمولہ مزاحیہ مشاعرہ مرتب شاکر حسین شاکر، ص ۹۹

۴۱۔ سرفراز شاہد۔ ڈش انٹینا، ص ۶۶

۴۲۔ ڈاکٹر بدر منیر، ڈاکٹر۔ انار دانے۔ فیصل آباد۔ مثال پبلی شرز، ۲۰۱۶ء، ص ۵۵

۴۳۔ ضمیر جعفری، سیّد۔ نشاط تماشا، ص ۱۲۴

۴۴۔ نیاز سواتی۔ بے باکیاں، ص ۱۷۸

۴۵۔ دلاور فگار۔ کلیات دلاور فگار، ص ٦٦

۴٦۔ بشیر احمد چونچال۔ منقار، ص ۹۲

۴۷۔ امیر السلام ہاشمی۔ ضرب ظرافت، ص ۵۹

۴۸۔ بلبل کاشمیری۔ مشمولہ مزاحیہ مشاعرہ۔ مرتب شاکر حسین شاکر، ص ۳۰

۴۹۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر۔ خوش بیانیاں، ص ۴۴

۵۰۔ عنایت علی خان۔ کلیات عنایت، ص ۱۸۴

۵۱۔ سیّد ضمیر جعفری، سیّد۔ نشاط تماشا، ص ۲۳

۵۲۔ عنایت علی خان۔ کلیات عنایت، ص ۲۹۵

۵۳۔ امیر السلام ہاشمی۔ ضرب ظرافت، ص ۴۱

۵۴۔ ایضاً، ص ۳۴

۵۵۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر۔ لایعنی، ص ۵۴

۵٦۔ عذرا صادق،۔ مشمولہ گل ہائے تبسم۔ (مرتب)۔ ڈاکٹر انعام الحق جاوید، ص ۳۰۳

۵۷۔ بشیر احمد چونچال۔ منقار، ص ۸۴

۵۸۔ سرفراز شاہد۔ ڈش انٹینا، ص ۵۹

۵۹۔ دلاور فگار۔ کلیات دلاور فگار، ص ۳۵۱

٦۰۔ سید محمد جعفری۔ کلیات سید محمد جعفری۔ لاہور۔ سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص ۳۵۵

٦۱۔ اسد جعفری۔ خندہ نوازی، ص ۱۰۷

٦۲۔ امیر السلام ہاشمی۔ ضرب ظرافت، ص ۱۱۳

٦۳۔ ہر فن لکھنوی۔ مشمولہ گل ہائے تبسّم۔ مرتب ڈاکٹر انعام الحق جاوید، ص ۴۲۹

٦۴۔ زاہد فخری۔ کدی تے پیکے جانی بیگم، ص ۳۸

٦۵۔ امیر السلام ہاشمی۔ ضرب ظرافت، ص ۳۰

٦٦۔ عنایت علی خان۔ کلیات عنایت، ص ۲۸۳

٦۷۔ دلاور فگار۔ کلیات دلاور فگار، ص ۵۷۱

٦۸۔ عنایت علی خان۔ کلیات عنایت، ص ۲۳۹، ۲۴۱

٦۹۔ ضمیر جعفری، سیّد۔ سُر گوشیاں۔ اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص ۷۱

۷۰۔ ضیاالحق قاسمی۔ رگ ظرافت۔ کراچی: پنجاب بک ہاؤس، ۲۰۰۰ء، ص ۱۱۴

۷۱۔ نیاز سواتی۔ بے باکیاں، ص ۵۱

۷۲۔ سرفراز شاہد۔ ڈش انٹینا، ص ۵۹

۷۳۔ مسعود انور شفقی۔ رات اور اُلّو، ص ۱۰

۷۴۔ بدر منیر، ڈاکٹر۔ انار دانے، ص ۶۳

۷۵۔ مسٹر دہلوی مشمولہ گل ہائے تبسم۔ (مرتب) ڈاکٹر انعام الحق جاوید، ص ۳۸۳

۷۶۔ ضمیر جعفری، سیّد۔ نشاطِ تماشا، ص ۸۷۵

۷۷۔ عنایت علی خان۔ کلیاتِ عنایت، ص ۱۷۲

۷۸۔ ضمیر جعفری، سیّد۔ نشاط تماشا، ص ۲۱۴

۷۹۔ انور مسعود۔ در پیش۔ اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص ۶۴

۸۰۔ عنایت علی خان۔ کلیات عنایت، ص ۲۸۸

۸۱۔ زاہد فخری۔ کدی تے ہسکے جانی بیگم، ص ۶۰

۸۲۔ عنایت علی خان۔ کلیات عنایت، ص ۲۹۰

۸۳۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر۔ لایعنی، ص ۷۴

۸۴۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر۔ تبسّم طرازیاں۔ اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص ۱۷

۸۵۔ انور مسعود۔ روز بروز، ص ۱۳۳

۸۶۔ عنایت علی خان۔ کلیات عنایت، ص ۲۵۹

۸۷۔ امیر السلام ہاشمی۔ ضرب ظرافت، ص ۱۵

۸۸۔ ایضاً، ص ۱۱۲

۸۹۔ بدر منیر، ڈاکٹر۔ خندہ بازار، ص ۲۷

۹۰۔ اطہر شاہ خان جیدی۔ مشمولہ مزاحیہ مشاعرہ۔ (مرتب) شاکر حسین شاکر، ص ۱۵